© rasailojaraid.com

پہلی قسط

ترجمہ "تذکرہ علمائے ہند" پر ایک نظر

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، استاذ شعبہ تقابل ادیان، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی

قوموں کا کلچر ان کے راگ رنگ اور انداز رقص و سرور کا نام نہیں ہوا کرتا اس کا حقیقی و واقعی مصداق وہ علوم و فنون ہیں جو ان کے اسلاف کی سعی مشکور سے ظہور میں آئے اور پروان چڑھے انہی علوم و فنون سے ہر قوم کی ثقافتی عظمت کا مقام متعین کیا جاتا ہے کہ اس نے عالمی تہذیب و تمدن کی ترقی میں کیا کردار انجام دیا ہے۔

اور ان علوم و فنون کے امین و محافظ ہوتے ہیں اس کے علماء جن کی علمی و ملکی سرگرمیوں کا تذکرہ اخلاف کے شوق حصول علم اور جذبۂ تحقیق کو ایک تازہ ولولہ بخشتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو علمائے اسلام کی تدریسی و تصنیفی سرگرمیاں ہماری عظمت ماضی کا قابل فخر و ابتہاج کارنامہ اور ہماری قومی ثقافت کا سرچشمہ اور اس کا جزر لاینفک ہیں۔ مگر پچھلے دو سو سال میں بیرونی حکمرانوں نے اپنے استعمار پسندانہ مصالح کے پیش نظر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ نئی نسل کا قدیم سے ناطہ اس حد تک ٹوٹ گیا کہ آج حصول آزادی کے بعد بھی اس کا بحال کرنا دشوار ہو رہا ہے شاید اسی صورت حال سے متاثر ہو کر شاعر ملت نے فرمایا تھا۔

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ رسم شاہبازی

پھر بھی عظمت ماضی کو ایک مرتبہ بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

لیکن بہی خواہان ملت کی سعی پیہم کے باوجود عربی و فارسی کو سماج میں وہ مقام نہیں دلایا جا سکا جو کسی زمانہ میں انہیں حاصل تھا کہ اس کی تلافی ان زبانوں میں ودیعت کردہ علمی سرمایہ کو اردو میں منتقل کر کے کی جارہی ہے اور یہ کام پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ منظم طور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر کیا جارہا ہے۔ حکومت اپنی جگہ انتہائی فراخدلی سے اس کی سرپرستی کر رہی ہے۔ اکابر ملت اپنی جگہ اپنی انتظامی صلاحیتوں سے اس کوشش کو بارآور بنانے میں ساعی ہیں اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس پر دوٹوک فیصلہ قبل از وقت بھی ہے اور غیر ضروری بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ انفرادی مساعی میں اگر کہیں جھول رہ گئے ہوں یا اصلاح کی حاجت ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے تاکہ دوسرے کارکنوں کے لئے وہ رہنما ہدایات کا کام دے سکے۔

عہد اسلام میں علماء کے بے شمار تذکرے لکھے گئے ہیں نہ صرف عمومی تذکرے بلکہ مختلف فنون کے ماہرین کے خصوصی تذکرے بھی۔ مفسرین کے، محدثین کے، فقہاء کے، متکلمین کے، لغویئن و نحاۃ کے، حکماء و فلاسفہ کے، اطباء کے حتیٰ کہ امراض چشم کے ماہرین کحالوں کے۔ پھر مختلف اسلامی ممالک کے علماء کے، مختلف مردم خیز شہروں کے۔ علمائے ہندوستان کے بھی تذکرہ لکھے گئے جس کا ایک فاضلانہ جائزہ پاکستانی ہسٹاریکل سوسائٹی کے صدر نے اپنے اس مقدمہ میں دیا ہے جو انھوں نے مولوی رحمٰن علی کے "تذکرۂ علمائے ہند" کے اردو ترجمہ پر لکھا ہے"!

ان تذکروں میں محررہ بالا مولوی رحمٰن علی کا "تذکرہ علمائے ہند" ہماری تذکراتی ادبیات میں خاص مقام رکھتا ہے وہ ایک سرکاری آدمی تھے اور ایک سرکاری آدمی کی مشغولیات ظاہر ہیں، تعجب ہوتا ہے کہ ان مشغولیات کے درمیان انہوں نے علمائے سالقین کا تذکرہ مرتب کرنے کا منصوبہ کیسے بنایا اور کیسے اسے مکمل کیا۔ یہ تو ایک انتہائی تاب فرسا کام ہے پھر اس زمانہ میں انہیں ضروری سواد کہاں میسر مل گیا۔ مولانا عبدالحیٔ ندوی نے بھی "نزہۃ الخواطر" کے نام سے ایک مبسوط تذکرہ لکھا ہے۔ مگر وہ خالص علمی آدمی تھے اور اسی کام کے لئے ہو لئے تھے

بہرحال مولوی رحمٰن علی نے اپنا تذکرہ ۱۳۰۵ھ میں مرتب کیا تھا یعنی مولانا عبدالحیٔ کی نزہۃ الخواطر سے پہلے اور الفضل للمتقدم۔ یہ تذکرہ نول کشور پریس لکھنؤ میں ایک ہی مرتبہ چھپا۔ کتابت طباعت کی اغلاط کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہے۔ مصنف کا اصل مسودہ نہ معلوم کہاں ہوگا۔ ان کے ورثاء کے پاس یا نول کشور پریس کے پچھلے ریکارڈ میں۔ ... بوردں میں۔ مطبوعہ نسخے بھی کمیاب ہیں لہذا پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ... کرا کے شائع کر دیا ہے۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے فاضل صدر ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھا ہے اور برصغیر کے جانے پہچانے اور مانے اہل علم حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی نے
"پیش لفظ"۔

سطور ذیل کا مقصد تحریر مصنف یا مترجم یا ناشرین پر تنقید و تبصرہ نہیں ہے۔ راقم السطور
نہ اس کا اہل ہے اور نہ اسے اس قسم کے غیر نفع بخش مشاغل سے کوئی دلچسپی ہے۔ مجھے تو صرف اپنے
یہاں کی علمی تاریخ کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے جو آج نئی نسل کے لئے غیر مانوس بن گئے
ہیں اس کے لئے میں نے مولوی رحمٰن علی کے اس "تذکرہ علمائے ہند" کو اپنی معروضات کی اساس
بنایا ہے اور چونکہ اس کی فارسی اصل کے نسخے کمیاب ہیں اور عام اہل علم کی دسترس اسکے
اردو ترجمہ ہی تک ہو سکتی ہے لہذا ضمناً اس ترجمہ سے تعرض بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔

مجوزہ مباحث میں سب سے زیادہ اہم دو مبحث ہیں۔

۱۔ برصغیر میں علم و حکمت کا آغاز و ارتقاء۔

۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا معقولات میں سلسلۂ اسناد جس کی ابتداء خواجہ
جمال الدین محمود سے ہوتی ہے انہی کے تلامذہ نے یہاں آکر علم و حکمت کے تعلیم و تعلم کی تجدید
کی۔

کمتر اہمیت کی مباحث میں حافظ امان اللہ بنارسی کا وہ رسالہ ہے جس میں انہوں نے
میر باقر داماد اور ملا محمود جونپوری کے درمیان حدوث دہری کے مسئلے میں محاکمہ کیا ہے، نیز
درس نظامی کی چند کتابوں کا تعارف ہے۔ اول الذکر (حدوث دہری کے مسئلہ میں محاکمہ) مفکرین
اسلام کی تفکیر متعلقہ مسئلہ زمان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور مسئلہ زمان
بقول علامہ اقبال ملت اسلامیہ کے لئے زندگی اور موت کے سوال کے مترادف ہے۔ مجوزہ
درسی کتابیں ہمارے اسلاف کے علمی ورثہ کا انتہائی بیش قیمت جزء ہیں جن کی قیمت انکے
قدردان کی نظروں میں لعل و گہر سے فزوں ہونا چاہیئے۔ لیکن اصل بحث شروع کرنے
سے پہلے فن ترجمہ پر تھوڑی نظر رکھنی ضروری ہے اس دور میں ایک زبان کو دوسری زبان
میں منتقل کرنے کا کام جس تیزی سے ہو رہا ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں اور اس صدی کے نصف
... دانشوروں نے فن ترجمہ کی طرف قابل قدر حد تک توجہ فرمائی ہے ان تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شروح وتون اور حواشی کے ترجمے کر ڈالے جو داخل نصاب ہیں ان ترجموں کیوجہ سے طلبہ کی علمی صلاحیت فزوں تر ہونے کے بجائے فرو تر ہوگئی کیونکہ وہ اپنی تن آسانی اور پست ہمتی کے سبب اسی ترجمے ہی سے کام چلالیتے ہیں اور اصل تک پہونچنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ اس طرح ان کی ساری معلومات ثانوی درجہ کی ہوکر رہ جاتی ہے۔ لیکن بسا اوقات یہی ترجمے اپنے حسن بیان، ادائیگی مفہوم اور طرز نگارش کے باعث ادبیات عالیہ میں شامل ہونے کے مستحق ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ جب (CHAPMAN) نے ہومر کی الیڈ کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ شاعر KEAT کی نظر سے گذرا تو وہ اس سے بے انتہا متاثر ہوا اور اس نے اپنے تاثرات کو جس طرح ادا کیا وہ بجائے خود انگریزی ادب کا قابل ذکر کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

ہمارے ملی ادب میں بھی اس کی مثالیں کمیاب ہوں تو ہوں، نایاب نہیں ہیں عبداللہ بن المقفع نے کلیلہ دمنہ کا جو ترجمہ کیا تھا، وہ عربی ادب کی ادبیات عالیہ میں شمار کیا جاتا ہے قصص وحکایات سے گذر کر علوم حکمیہ کے اندر بھی جن یونانی شاہکاروں کے عربی میں ترجمے ہوئے عرصۂ دراز تک فضلائے یوروپ نے اصل یونانی ہوتے ہوئے بھی انہی کا اپنی زبانوں میں ترجمہ کیا۔

مگر بدقسمتی سے اردو کو یہ شرف حاصل نہ ہوسکا۔ عربی فارسی کے معیاری شاہکاروں کے تراجم کئے اور کرائے جارہے ہیں۔ مگر آج اس کام نے ایک تاجرانہ کاروبار کی حیثیت اختیار کرلی ہے اور جو لوگ یہ ترجمے کراتے ہیں وہ قوم کے پیسہ کو توبرباد کرتے ہی ہیں قارئین کی گمراہی کا ثواب بھی اسی جھوک میں کمارہے ہیں۔

مترجم کتنا ہی زیرک کیوں نہ ہو اسے عربی وفارسی زبان وادب کے ساتھ اردو پر کتنا ہی عبور کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی وہ مصنف کا مافی الضمیر اپنی زبان میں ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے یہ ان مترجمین کے ترجموں کا حال ہے جو ذروۂ فضل وکمال پر پہونچے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ مترجمین جن کی حیثیت پیشہ ورانہ ہے ان کی کاوشوں کی قیمت کیا ہوگی یہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ ایک لطیفہ ہے کہ محمود غزنوی کے دربار میں احناف وشوافع کے درمیان مناظرہ ہوا شافعی مناظر نے حنفی مذہب کی نماز پڑھائی اور باتیں تو درکنار قرأت کے اندر اس نے "دو برگ سبز"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا اور رکوع میں جھک گیا سامعین میں سے کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کسی نے تو اسے تفریح طبع کا ذریعہ سمجھ کر ہنسی اڑائی اور کسی نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ احناف نے نماز میں فرض و واجب کی تدقیق کی ہے فرض صرف بفحوائے آیت "فاقرؤا ماتیسر من القرآن" (۱) ایک آیت کا پڑھنا ہے اور یہ فریضہ مدھامتان (۲) پڑھنے سے بھی ادا ہو سکتا ہے اور چونکہ امام صاحب فارسی میں قرأت کو جائز سمجھتے ہیں اس لئے اس میں مدھامتان دو برگ سبز کہدیا کیونکہ مدھامتان کا ترجمہ دو برگ سبز ہی ہے۔ ترجمہ اپنی جگہ بالکل درست تھا لیکن یہی ترجمہ تضحیک و تفضیح کا باعث بن گیا۔

ایک دوسری مثال جو بسا اوقات بڑی خطرناک شکل اختیار کر لیتی ہے وہ صحیح اور تندرست آدمی کے روزہ نہ رکھنے کے بجائے فدیہ دینے کا مسئلہ ہے آیت کریمہ "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین" (۳) کا ترجمہ عام طور سے قارئین یہی کرتے ہیں کہ "جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر واجب ہے کہ فدیہ دیں" ایسی صورت میں آیت کا مطلب بالکل غلط ہو جاتا ہے اگر قارئین کو خاصیت ابواب سے ذرا بھی واقفیت ہوتی تو "یطیقونہ" کا ترجمہ طاقت رکھنے کا کبھی نہیں کرتے یہاں دراصل "یطیقونہ" باب افعال فعل مضارع سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور ضمیر "ہ" منصوب متصل ہے اس باب کی ایک خاصیت سلب ماخذ کی ہے جیسا کہ اس لفظ میں ہے یہاں سلب طاقت مراد ہے ایسی صورت میں اس کے لازمی معنی یہی ہوں گے "جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ فدیہ دیں" لیکن اس ترجمہ پر فوراً آزاد خیال حلقوں کی طرف سے اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن صیغۂ مثبت "یطیقونہ" کا ترجمہ صیغۂ نفی "طاقت نہیں رکھتے" کیسے کر دیا یہ تو مداخلت فی الدین اور تفسیر بالرائے ہوئی جو ممنوع ہے اس اعتراض کا کچھ لوگ یوں جواب دیکر پیچھا چھڑایا کرتے ہیں کہ یہاں "لا" مقدر ہے لیکن اس تقدیر پر پھر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ قیام تقدیر کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے وہ کہاں ہے پھر ان لوگوں سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ اس لئے اردو ترجمہ کے ساتھ جب تک عربی [illegible] ب پر گہری نظر نہیں ہوگی اس کی روح تک نہیں پہنچا جا سکتا ہے جس طرح سطور بالا [illegible] ہوا۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے کتنی ہی تشریح و توضیح کے بعد بھی ترجمے سے نہیں سمجھایا جا سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ترجمے کے مفاسد بس سے ایک خطرناک مفسدہ ہے دوسرے مفاسد کا،

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

کے مصداق بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

غالباً اس معروض کی مزید شہادت یوروپ اور مسیحی دنیا کے مذہبی اور دینی زوال کے ذریعہ ہوگی۔ یہ صحیح ہے کہ عام العقیدہ لوگ عرصہ تک اپنے احبار و رہبان کے افاضات و ارشادات پر اس درجہ اعتماد کرتے تھے کہ وہ شرک باللہ کی حد تک پہنچ جاتا تھا لیکن بہرحال اس غلو فی الاعتقاد کے باوجود ان کا دین و مذہب ایک حد تک برقرار رہا مگر جب سولہویں صدی میں یوروپ کے اندر وہ تحریک پیدا ہوئی جسے نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) اور عہد اصلاح کہتے ہیں اور جمہور اپنے مذہبی پیشواؤں کی گندی اور ناگفتہ بہ بدکرداریوں سے بیزار ہونے لگے تو انھیں اصل مذہبی صحیفوں کی طرف رجوع کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اس کے لئے ان کے ترجمے کی ضرورت لاحق ہوئی اور پھر ہر عامی "عالم"، اور ہر چرواہا "فاضل" بن گیا۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

ہر شخص نے حسب دلخواہ ان ترجموں کے احکام و مسائل کا استنباط شروع کر دیا اور پھر دین میں ایسا خلفشار پیدا ہوا جو پہلے ہی سے اہل مذہب کی بدکرداریوں سے صید زبوں بنا ہوا تھا۔ جو تاریخ کا ایک جانا پہچانا واقعہ ہے لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ہزاروں زندہ آگ میں جلا دیئے گئے اور پھر اس کا مجموعی نتیجہ مذہب بیزاری کی شکل میں نمودار ہوا جو ہر شخص دیکھ سکتا ہے آج ہماری بدقسمتی ہے کہ وہ خطرناک تجربہ جو یوروپ میں سو فیصد ناکام ہو چکا ہے صرف تقلید یوروپ کی خاطر ہمارے یہاں دہرایا جا رہا ہے۔

تذکرہ علمائے ہند کا ترجمہ بھی کچھ اسی طرح کی داستان کی یاد دلاتی ہے یہ تذکرہ ایک مشہور فاضل رحمٰن علی نے ۱۳۰۵ھ میں لکھا تھا یعنی مولانا عبدالحئی کی "نزہۃ الخواطر" سے پہلے اس سے اصل کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگایئے مگر اسے پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے اردو میں جس طرح ترجمہ کیا ہے اس سے علم و تحقیق کے معصوم گلے پر جو مردار چھری چلی ہے وہ قابلِ ماتم ہے۔

© rasailojaraid.com

[illegible] ہے لیکن ان کا ترجمہ ان کی زندگی کی [illegible] [illegible] کا اسم گرامی نظر آتا ہے چونکہ موصوف کا یہ ترجمہ حلقۂ علم و ادب سے [illegible] شرف حاصل کر چکا ہے اور قارئین تن آسانی کے باعث اصل ماخذ کی طرف [illegible] کے بجائے ترجمہ تک ہی اپنی رسائی محدود رکھتے ہیں اس لئے ان فروگذاشت اور [illegible] کی نشاندہی ضروری سمجھی گئی جو پروفیسر موصوف سے اس تذکرہ کو اردو زبان میں منتقل [illegible] سرزد ہوئیں، تاکہ قارئین کرام اب مزید کسی گمراہی کا شکار نہ ہوں۔

مترجم کے غیر معمولی علم وفضل سے قطع نظر جس کی جھلکیاں ترجمہ کے ہر صفحہ پر مل جائیں گی اس علمی ادارہ کے سربراہ کی ذمہ داری پر بھی نظر ڈالنا ہوگا جنہوں نے یہ ترجمہ کرایا ہے علمی اداروں کے سربراہوں کا فرض منصبی ہے کہ وہ کار مفوضہ کی انجام دہی کے لئے صرف اہل [illegible] کا انتخاب کریں محض چاپلوسوں کی دون اڑانے سے متاثر نہ ہوں۔

ترجمے کے کام کے لئے جس طرح بنیادی طور پر اس زبان سے واقف ہونا شرط ہے جس سے ترجمہ کیا جاتا ہے نیز اس زبان پر مافی الضمیر ادا کرنے کی قدرت ضروری ہے جس میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس فن سے آشنائی بھی لابدی اور ناگزیر ہے جس فن کی کتاب کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ مگر غالباً پروفیسر موصوف میں یہ تینوں شرطیں مفقود تھیں۔

(الف) جہاں تک فارسی زبان سے (جس میں یہ تذکرہ مصنف نے لکھا تھا) تعلق کا ذکر ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پروفیسر موصوف اس کے معمولی اور متعارف الفاظ سے ناواقف ہیں۔

مثلاً مصنف رحمٰن علی نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں خود ان کے رسالہ دانشمندی سے نقل کیا تھا

"وایشاں از ملا محمود مشہور یوسف کوسج شیرازی" (۴)

ہمارے پروفیسر صاحب نے اس کا ترجمہ بدین منظور کیا ہے۔

"اور انہوں نے ملا یوسف شیخ شیرازی سے" (۵)

[illegible] یہ "شیخ" کہاں سے آ کودا۔ مگر قارئین کو یہ پڑھ کر ہنسی بھی آئے گی اور [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

...سر صاحب نے ... (ک س ج) کی یہ رٹ ماری ہے "کوسج" معرب ہے "کوسہ" کا اور کوسہ فارسی میں اس شخص کو کہتے ہیں، جس کی ٹھوڑی پر چند گنے چنے بال ہو چنانچہ "برہان قاطع" ... جو فارسی کی مستند لغت میں لکھا ہے۔

"کوسہ بروزن بوسہ معروف است یعنی شخصے کہ او را در چانہ و زنخ زیادہ بر چند موئے بنا شد . . . . و معرب آں کوسج است" (۶)

سوال یہ ہے کہ کیا کسی مدعی علم و ادب کو جس کا مبلغ علم اتنا "وسیع ہو" کہ جس زبان سے ترجمہ کر رہا ہے اس کے معمولی الفاظ کو بھی جنھیں اہل لغت "معروف است" کہکر مزید توضیح کی بڑی مشکل سے زحمت فرماتے ہیں (بلکہ کبھی تو زحمت فرمانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے جیسا کہ مصنف" فرہنگ جہانگیری" نے "معروف است" کہکر کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ البتہ انھوں نے اس کی وضاحت ضروری کی ہے "معرب آں کوسج است" (۷) ترجمہ جیسی اہم ذمہ داری کو سونپا جا سکتا ہے۔

اور پھر پروفیسر صاحب اس پر بس نہیں فرماتے، اظہار ہمہ دانی کے لئے اس پر EMENDATION کی بھی مشق عمل فرماتے ہیں یعنی "کوسج" کے "کو" کو نظر انداز فرما دیتے ہیں اور "سج" (س ج) کے س مہملہ کو ش معجمہ سے اور "ج" تحتانی کو "ح" فوقانی سے بدل کر دونوں کے درمیان "ی" کا اضافہ بھی فرما دیتے ہیں۔ اور اس طرح ملّا صاحب کو "شیخ" (ش ی خ) بنا ڈالتے ہیں گویا کہ زبان فارسی بھی جناب کے گھر کی لونڈی ہے جس طرح چاہیں تصرف بیجا فرمائیں بخوف تطویل مزید امثلہ کے ایراد سے صرف نظر کیا جا رہا ہے۔

(ب) اردو زبان پر قادر الکلامی کی کیفیت ملاحظہ ہو مصنف نے شیخ زین الدین خوافی کے تذکرے میں لکھا تھا۔

"وے تاریخ نوشتہ مشتمل بر فتح ہندوستان و شرح غرائب آں و داد سخنوری در آں دادہ" (۸)

پروفیسر موصوف نے اس عبارت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

"انہوں نے ہندوستان کی فتح کی تاریخ لکھی ہے جس میں غرابت کی شرح اور سخنوری کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمال دکھایا ہے" (۹)

مترجم کو اس کا سیاق و سباق معلوم ہوگا مگر ترجمہ سے پتہ نہیں چلتا کہ کس فاتح کے ہندوستان فتح کرنے کی تاریخ ؟ مصنف (رحمان علی) کا مآخذ غالباً بدایونی کی منتخب التواریخ تھی جس میں انہوں نے شیخ زین کے تذکرہ میں لکھا ہے۔

" واز جملہ فضلائے زمانہ اور شیخ زین خافی است کہ واقعات بابری راکہ آں بادشاہ مغفور نوشتہ بعبارتے بلیغ ترجمہ کردہ "

یعنی بادشاہ نے بابر نامہ میں ہندوستان کی فتح کے سلسلے میں جو کچھ تحریر کیا تھا، اس ... یست جو کچھ بابر نے لکھا تھا شیخ زین نے اس کا فصیح و بلیغ عبارت میں ترجمہ کیا۔ (بابر نے اپنی خود نوشت سوانح عمری ترکی میں لکھی تھی اس کا پہلا فارسی ترجمہ شیخ زین نے کیا اور دوسرا بعد میں بیرام خاں کے صاحبزادے عبدالرحیم خان خاناں نے اور یہی آج کل متداول ہے)

ابوالفضل نے بابر کی ابراہیم لودی پر فتح پانے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے "و بمدراں روز فتح نامہا نوشتہ" ممکن ہے یہ فتحنامے شیخ زین نے لکھے ہوں۔ کچھ بھی ہو مگر ترجمہ سے قاری کے پلے کچھ نہیں پڑسکتا۔

(۲) مصنف نے لکھا تھا "شرح غرائب آں"

پروفیسر صاحب نے اس کا ترجمہ فرمایا "غرابت کی شرح"

معمولی فارسی داں بھی جانتے ہیں کہ "غرائب" اور "غرابت" دو مختلف لفظ ہیں۔ غرائب جمع ہے غریبہ کی یعنی عجیب و غریب چیزیں، نوادر اور غرابت اسم مصدر ہے غریب ہونا بالخصوص کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جن کے معنی عام طور پر لوگ نہ جانتے ہوں۔

مصنف کا مقصد تھا کہ شیخ زین نے ہندوستان کے عجیب و غریب اشیاء کا ذکر کیا ہے (اگر ان کی مراد واقعات بابری کے ترجمے سے ہے) یا جنگ میں جو عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے مثلاً تیرہ ہزار کی مغل فوج نے ایک لاکھ ہندوستانی فوج کو شکست دیدی۔ یا بندوقوں کی آواز اور توپوں کی گرج سے ہندوستانی فوج کے ہاتھی جن پر ہندوستانیوں کو گھمنڈ تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود اپنی ہی فوج کو روندتے ہوئے بھاگ نکلے (اگر ان کی مراد ان فتحناموں سے ہے جو بابر نے لکھوا کر کابل، بدخشاں اور قندھار بھجوائے تھے۔)

مگر مترجم کی گلفشانی نے اسے غرابت (کلام) کی شرح بنا دیا یعنی اس کتاب "تاریخ مشتمل بر فتح ہندوستان" میں جو غریب الفاظ آئے ہیں خود شیخ زین نے (نہ کہ بعد کے کسی شرح نویس نے جیسا کہ عام دستور ہے) ان کی شرح و ایضاح کی۔

یہ ہے پروفیسر مترجم کی قادر الکلامی کہ ایک معمولی جملے کا بھی صحیح مفہوم قارئین کے ذہن نشین نہ کر سکے۔ اس ضمن میں بھی مزید امثلہ کے ایراد سے بخوف تطویل صرف نظر کیا جا رہا ہے

(ج) جب فارسی فہمی اور اردو نویسی میں پروفیسر صاحب کی علمیت کا یہ عالم ہے تو پھر ان سے تیسری شرط کی توقع بے سود ہے۔

پوری کتاب گلفشانیوں سے لبریز ہے۔ مثلاً۔

مصنف نے حافظ کومکی کا ذکر کرتے وقت لکھا ہے۔

"بملازمت اکبر شاہ مشرف شدہ تفسیر سورہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحضور شاہ گذرانیدہ قریب چہل ہزار روپیہ صلہ یافتہ" (۱۰)

اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے مترجم نے لکھا ہے۔

"اکبر شاہ کی ملازمت سے مشرف ہوئے بادشاہ کے حضور میں سورہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی قریب چالیس ہزار روپیہ انعام ملا۔" (۱۱)

اس ترجمہ میں یا تو مترجم نے لفظ تفسیر کا اضافہ درخور اعتنا نہیں سمجھا یا کاتب کی بے توجہی کا شکار ہو گیا بہرحال اس کی ذمہ داری مترجم، مصحح اور ہسٹاریکل سوسائٹی کے صدر پر یکساں آتی ہے۔

کیونکہ "سورہ محمد" اللہ تعالیٰ کا کلام ہے حافظ کومکی کا نہیں (نعوذ باللہ منہا) انہوں نے اس کی تفسیر لکھ کر بادشاہ کے سامنے پیش کی تھی جس کے صلہ میں اس نے چالیس لاکھ انعام دیا تھا۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی و حوالے

(۱) المزمل ۲۰

(۲) الرحمٰن ۶۴

(۳) البقرہ ۱۸۴

(۴) رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۲ باردوم لکھنؤ ۱۹۱۴ء

(۵) محمد ایوب قادری: ترجمہ تذکرہ علمائے ہند ص ۵۴۳ کراچی ۱۹۶۱ء

(۶) محمد حسین: برہان قاطع (۳: ۱۷۲۹) تہران ۱۳۴۶ خورشیدی

(۷) جمال الدین: فرہنگ جہانگیری (۲: ۲۲۰) لکھنؤ ۱۸۷۶ء

(۸) رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ص ۶۹

(۹) محمد ایوب قادری: ترجمہ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۰۶

(۱۰) رحمٰن علی: تذکرۂ علمائے ہند ص ۱۰

(۱۱) محمد ایوب قادری: ترجمہ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۷

© rasailojaraid.com